فلسفۂ خودی کائنات کا آخری فلسفہ ہے

حکمتِ اقبال کی یہی خصوصیات ہیں جو اسے کائنات کا وہ آخری فلسفہ بنا دیتی ہیں جو ہر دَور کے باطل فلسفوں کا مُسکت اور تسلی بخش جواب ہو۔ شاہ ولی اللہ اور محی الدین ابن عربی کے زمانہ میں اس قسم کے فلسفہ کا وجود میں آنا ممکن نہیں تھا۔ آج اگر مسلمان یا کوئی اور قوم جدلی مادیات (DIALECTICAL MATERIALISM) کا معقول علمی جواب دینا چاہے جسے دَورِ حاضر کا انسان بھی سمجھ سکے تو وہ صرف اقبال کے نظامِ حکمت سے ہی پیدا کیا جا سکتا ہے۔ کسی اور فلسفہ سے پیدا نہیں کیا جا سکتا۔ انسان اور کائنات کی سچّی حقیقت کو سمجھنے کے لیے جس قسم کی ذہنی رکاوٹیں کسی زمانہ میں پیدا ہوتی ہیں قدرت ان رکاوٹوں کو دُور کرنے کے لیے علاج بھی ویسا ہی پیدا کرتی ہے۔ اقبال کا فلسفۂ خودی اپنے مزاج کے لحاظ سے اپنے دَور کے فلسفوں کی تمام ظاہری خصوصیات سے حصّہ لیتا ہے تاکہ ان کا تسلی بخش جواب بن سکے۔ شاہ ولی اللہ اور محی الدین ابن عربی ایسے اکابر کے فلسفے اپنے زمانہ کے باطل فلسفوں کا جواب تھے۔ لیکن اس زمانہ کے یا آنے والے زمانہ کے باطل فلسفوں کا جواب نہیں اور نہ بنائے جا سکتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا کے اسلامی تصوّر پر مبنی ہونے کے باوجود وہ جدید علمی حقائق کی عقلی اور منطقی حدود کے کسی نکتہ پر بھی نہ ان سے اتصال پیدا کرتے ہیں اور نہ ٹکراتے ہیں لہٰذا ان میں یہ صلاحیّت نہیں کہ وہ ایک ایسے جدید نظامِ حکمت کی صورت اختیار کر سکیں جو عقلی اور منطقی طور پر مسلسل ہو اور جس میں حال اور مستقبل کے تمام علمی حقائق سموئے جا سکیں۔ اقبال کے علاوہ دوسرے تمام مسلمان فلسفیوں کے فلسفے، فلسفہ اسلام کے ارتقاء کے وہ مراحل ہیں جو گزر چکے ہیں، اقبال کا فلسفہ ان تمام مراحل سے آگے کا فلسفہ ہے جو گزشتہ مراحل کے تمام حاصلات کو بھی اپنے اندر جمع کرتا ہے لیکن اب گزشتہ مرحلوں میں سے کوئی مرحلہ اس کو ہٹا کر اس کی جگہ نہیں لے سکتا کیونکہ ان میں کوئی فلسفہ ایسا نہیں جو اپنے اندرونی استدلال کو وسعت دے کر ایک جدید انسانی اور اجتماعی فلسفہ بن سکے اور آئندہ عالمگیر ریاست کو اپنے سیاسی یا اقتصادی یا اخلاقی یا تعلیمی یا قانونی یا معاشرتی یا اطلاعاتی نظام کے لیے قابلِ فہم علمی تصوّرات بہم پہنچا سکے۔ یہ نکتہ نہایت ہی اہم ہے اور

جس قدر جلد اس پر ہم حاوی ہو جائیں ہمارے لیے اتنا ہی اچھا ہوگا۔ کیونکہ اتنا ہی ہم اپنی قوتوں کو اور فلسفوں کی جستجو یا نشر و اشاعت پر صرف کرنے کی بجائے اس فلسفہ کی تفہیم اور نشر و اشاعت کے لیے آزاد کر سکیں گے۔ اس میں شک نہیں کہ ہمیں قدیم اسلامی فلسفوں کا بھی مکمل مطالعہ کرنا چاہیے لیکن اس لیے کہ دیکھا جائے کہ ان کے اندر کون سے تصوّرات ایسے ہیں جن کے مضمرات یا نتائج جدید فلسفہ اسلام یعنی فلسفۂ خودی کی تنظیم اور ترتیب کے خلاؤں کو پُر کرنے کے لیے عمدہ اور دل نشین طرزِ بیان مہیا کر سکتے ہیں لیکن ضروری ہے کہ ہم ان قدیم فلسفوں کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ بات ذہن میں رکھیں کہ مستقبل میں پُوری نوعِ انسانی کو اپنے دامن میں لینے والا اور زندگی کے نظری اور عملی پہلوؤں کے لیے پُوری روشنی پہنچانے والا فلسفہ اسلام صرف ایک ہی ہے اور وہ فلسفۂ خودی ہے یہی وہ حقیقت ہے جس کی بنا پر اقبال کو یہ کہنا زیب دیتا ہے:

ہیچ کس رازے کہ می گویم نہ گفت
ہمچو فکر من در معنی نہ سفت

(جاری ہے)

ڈاکٹر اسرار احمد

نے اپنی دوسری دینی اور علمی خدمات کیساتھ ساتھ شادی بیاہ کی تقریبات کے ضمن میں

ایک اصلاحی تحریک

بھی برپا کی اور ـــــ خُطبۂ نکاح ـــــ کو صرف ایک رسم

کی بجائے واقعی تذکیر و نصیحت اور معاشرتی زندگی سے متعلق اسلامی تعلیمات کو عام کرنے کا ذریعہ بنایا

اس موضوع پر ڈاکٹر صاحب کی ایک اہم تحریر اور ایک خطبۂ نکاح کو دیدہ زیب کتاب کی صورت میں شائع کر دیا گیا ہے۔

بڑے سائز کے ۴۸ صفحات ○ عمدہ دبیز کاغذ ○ دیدہ زیب کور،

ہدیہ: ۴ روپے ـــــ محصول ڈاک علاوہ

مؤلف : ڈاکٹر محمد رفیع الدین
مترجم : ڈاکٹر ابصار احمد

منشورِ اسلام

—— (۶) ——

کامل ترین ریاست کی واحد بنیاد صحیح نصب العین ہے

جب محولہ بالا اوصاف سے متّصف افراد مل جل کر ایک اجتماعیت یا ریاست تشکیل دیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ایسا ہونا لازمی امر ہے، تو ان کا بحیثیّت اجتماع رویّہ اور کردار بھی صائب اور درست ہوتا ہے۔ ایسی ہیئتِ اجتماعیہ یا ریاست اس قابل ہوتی ہے کہ وہ اپنی خارجی و عملی زندگی کے تمام مظاہر میں، حُسن، خوبی اور صداقت کی اقدارِ اعلیٰ کو مسلسل جامعیت اور توازن کے ساتھ ابنائے عالم کے سامنے پیش کر سکے۔ جوں جوں وقت گزرتا ہے یہ اقدار اس ریاست کے باسیوں کی سیاسی، سماجی، معاشی، اخلاقی، قانونی، تعلیمی، ذرائع ابلاغ عامہ نظری و فکری زندگی، عسکری طور طریق غرضیکہ زندگی کے ہر گوشے میں نمایاں سے نمایاں تر ہوتی چلی جاتی ہیں۔ ایسی ریاست میں معاشی، اخلاقی، سماجی اور سیاسی ناہمواریوں اور ناانصافیوں کی کوئی رمق باقی نہیں رہتی۔ ایسے معاشرے کے افراد خود بھی حریّت اور مساوات کی نعمتوں سے بدرجہ اتم مستفید ہوتے ہیں اور انہیں دوسرے معاشروں کو پیش کرنے کے لیے بھی تیار رہتے ہیں۔ وہ ان تمام بیرونی عناصر کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ رہتے ہیں جو اُن کی آزادی و حریت پر ڈاکہ ڈالنا چاہتے ہیں۔ مثال کے طور پر اس ہیئتِ اجتماعیہ یا ریاست میں ایسے کوئی قانون نہیں ہوتے جو اس کے شہریوں کو ان کی مرضی کے خلاف چلنے کو کہیں اور ایسے کوئی سماجی یا تعلیمی اثرات نہیں ہوتے جو بالواسطہ یا بلاواسطہ ان کی فطرت سلیم کے خلاف ہوں جیسے جیسے یہ شہری اپنے اعلیٰ نصب العین کی صحیح پہچان اور محبّت اور اس کے لیے جذبۂ خدمت حاصل کرتے چلے جاتے ہیں اور اس کے زیر اثر ان کی باہمی محبّت و اُلفت بھی بڑھتی جاتی ہے، ریاست اسی طور پہ داخلی استحکام و تنظیم اور قوّت و جذبۂ عمل میں اعلیٰ ترین درجہ

حاصل کرتی چلی جاتی ہے۔ نتیجتاً یہ کامل ترین، اور خوشحال و پُرمسرّت افراد کی اجتماعیت کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور اس طرح یہ ایک ایسی کامل ریاست کا نمونہ پیش کرتی ہے جو ہر قابل تصور بُرائی و نقص سے پاک اور ہر خوبی و کمال سے متّصف ہو۔ ان کے نظریۂ حیات کی ماہیت ان کے پیہم پُرمسرت اور رُو بہ ترقی وجود کی ضمانت ہے۔ گویا اعلیٰ ترین اجتماعی وجود ان کے مبنی برصداقت فلسفۂ حیات کا نتیجہ ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ج وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ○ حٰمٓ السَّجْدَة: ۳۰، ۳۱)

یقیناً جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر وہ (اس پر) قائم رہے، ان پر فرشتے اتریں گے (اور کہیں گے) کہ نہ خوف کرو اور نہ غمناک ہو اور بہشت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے خوشی مناؤ۔ ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے دوست تھے اور آخرت میں بھی (تمہارے رفیق ہیں) اور وہاں جس (نعمت) کو تمہارا جی چاہے گا تم کو ملے گی اور جو چیز طلب کرو گے تمہارے لیے موجود ہو گی۔

یہ نظریۂ حیات اس بات کی کامل ضمانت دیتا ہے کہ یہ افراد دشمنوں کے عزائم کے علی الرغم نہ صرف اپنا وجود مسلسل برقرار رکھیں گے بلکہ دنیا میں ہر اعتبار سے ترقی کریں گے اور پھلے پھولیں گے۔ بفحوائے آیت قرآنیہ۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ○ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ط (اِبْرَاهِيْم: ۲۴، ۲۵)

اللہ (تعالیٰ) نے پاکیزہ بات کی مثال بیان فرمائی ہے جیسے پاکیزہ درخت جس کی جڑ مضبوط ہو اور شاخیں آسمان میں۔ اپنے رب کے حکم سے ہر وقت پھل دے رہا ہو۔

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ج (ابراھیم: ۲۷)

ایمان لانے والوں کو اللہ ایک قول ثابت کی بنیاد پر دنیا و آخرت، دونوں میں ثبات عطا کرتا ہے

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ
بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا ط (البقرۃ: ۲۵۶)

پس جو کوئی طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آیا، اس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا، جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں۔

صحیح نصب العین پر تشکیل شدہ ریاست ہی مخالفانہ نظریاتی جنگ و جدال سے نبرد آزما ہو سکتی ہے

حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ بالا اسلامی ریاست اگر صحیح خطوط پر واقعتاً تشکل ہے تو اسے رفتہ رفتہ چار دانگ عالم میں پھیل جانا چاہیئے اور پوری انسانیت کو اپنے دامن میں سمیٹ لینا چاہیئے۔ نظریہ حیات کی باہمی مناقشت میں اسلامی نظریہ حیات کی آخری اور مکمل کامیابی مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر ہے۔

ا۔ اس ریاست کی شہریت محدود نہیں ہے یعنی یہ کسی خاص خطّے، نسل، زبان یا رنگ سے مختص نہیں ہے، بلکہ اس کی شہریت دنیا کے ان تمام لوگوں کے لیے کھلی ہے جو صحیح نصب العین سے محبت کرتے ہیں اور اس کے لیے جذبہ کار رکھتے ہیں۔

ب۔ چونکہ اس ہیئت اجتماعیہ کا نصب العین ہر قسم کی نظری و عملی خرابیوں سے پاک ہے اس لیے اسی کو دنیا میں برتر اور فاتح حیثیت حاصل ہو سکتی ہے۔ غلط اور مبنی بر کذب نظریاتِ حیات اپنی داخلی کمزوریوں اور تضادات کی وجہ سے کہیں بھی قائم نہیں رہ سکتے اور بالآخر ناکامی ان کا مقدر بنتی ہے۔

ج۔ اس ریاست کے جملہ شہریوں کے عمومی اخلاق اتنے بلند اور ان کی شخصیات اتنی مربوط ہوتی ہیں کہ یہی صفات ان کی افواج کے سپاہیوں میں بھی پائی جاتی ہیں اور

ان کی ہمّت و عظمت ہمیشہ بلند رہتی ہے۔

د- اس کا نصب العین انسانیت کے ہر دم ارتقا پذیر فلسفیانہ اور سائنسی علم سے استفادہ کرتے ہوئے اپنے نظریۂ حیات کو زیادہ یقین آور، منظم اور سائنسی انداز پر استوار کرتا ہے چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ یہ ریاست ہتھیاروں اور آلاتِ حرب کے ذریعے نہیں بلکہ اپنے بنیادی تصورات کی قوّت کی بنا پر عالمی فتح حاصل کرے گی۔ اس کی فتح انسانیت کے لیے انتہائی مسرت اور اطمینان کا باعث ہوگی کیونکہ یہ اقوام عالم کے درمیان پیکار اور جنگ و جدل کا مکمل طور پر خاتمہ کر کے انہیں ایک مضبوط وحدت میں باندھ دے گی۔ اسلامی ریاست کی کامیابی اللہ کی زمین پر نہ صرف دیرپا امن و آشتی کا باعث ہوگی بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں انسانی ارتقاء کے اعلیٰ ترین اہداف کا حصول بھی ممکن بنائے گی۔

صحیح نصب العین کیونکر انفرادی اور اجتماعی کمال پر منتج ہوتا ہے

یہاں سوال کیا جا سکتا ہے کہ صحیح نصب العین کا تعین کیسے فرد اور اجتماع کو یکسر بدل دیتا ہے اور انہیں کمال اور اعلیٰ ترین سطح پر لے آتا ہے؟

دراصل حقیقت یہ ہے کہ جو کوئی بھی صحیح نصب العین کو اپنے فکر و عمل میں اختیار کرتا ہے تو وہ خود بخود یا بالفاظ دیگر اپنے نصب العین کی قوت سے اس بات پر مجبور ہوتا ہے کہ وہ اس طور عمل کرے جو اس کی داخلی بالیدگی کی ضمانت دے۔ اور یہی چیز خارج میں اپنے خالق حقیقی کے ساتھ محبت و تعلق کے اظہار کا سبب بن کر اس کی صفات حسنہ یعنی حسن و کمال کی جامع ترین معروضی صورتوں میں ظاہر ہوتی ہے۔ اور یوں صحیح نصب العین انفرادی اور اجتماعی سطح پر مکمل ترین وجود کا باعث بنتا ہے۔

ایمان، محبّت، خود آگاہی، خود شعوری یا معرفتِ خالق

جس لمحے ہی ایک شخص انبیاء کرام کی دعوتِ حق پر لبیک کہتا ہے اور اعلیٰ رؤوس الاشہاد اعلان کرتا ہے کہ صحیح نصب العین ہی اس کی فطرت کا اعلیٰ ترین نصب العین اور ہدف ہے

وہ اپنے خالق حقیقی کے مکمل حسن وخوبی کا ادراک حاصل کر لیتا ہے اور دوسرے تمام باطل نصب العینوں میں حسن وخوبی کی غیر موجودگی بھی اس پر واضح ہو جاتی ہے۔ حسن ازلی کی چمک پہلی بار اس کے حیطہ بصیرت میں آتی ہے اور خالق حقیقی سے محبت کا جذبہ پہلی بار اس کے سینے میں موجزن ہوتا ہے۔ معرفت خداوندی بھی پہلی بار صحیح طور پر اس پر آشکارا ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ کے وجود وصفات کی نوعیت کیا ہے اور اس تعٰ کا تعلق اس کی زندگی سے کیا ہے!! اور صحیح خودشناسی بھی اسے پہلی بار نصیب ہوتی ہے۔ اس کا مطلوب حقیقی کیا ہے اور اس کی زندگی کا اصل مطمع نظر اور مقصد کیا ہے!! چنانچہ اس کا اعتقاد اس کے جذبہ محبّت اور معرفت خودی وخدا کے مترادف ہے۔ بالفاظ دیگر اس کا ایمان، خودشناسی اور خالق حقیقی کی معرفت اور اس تعٰ کے عشق کے ہم معنیٰ ہے۔ ازاں بعد یہ صادق جذبہ محبّت اگر صحیح خطوط پر پروان چڑھتا رہے اور اس کی مسلسل نگہداشت کی جاتے تو یہ پیہم مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا جاتا ہے اور اپنی خودی کے اعلیٰ ترین ارتقار کا باعث بنتا ہے۔ اس نقطۂ عروج پر انسانی خودی انبساط، اطمینان، خوداعتمادی اور خودانضباطی کی وہ اعلیٰ ترین سطح حاصل کر لیتی ہے جس کی یہ اہل ہے اس کا جذبہ محبت جُوں جُوں بڑھتا اور خالص تر ہوتا جاتا ہے۔ اس کا اعتقاد بھی اتنا ہی گہرا ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور اس کی معرفتِ خداوندی اور علم ذات بھی بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اس کی کیفیتِ انبساط، خودانضباطی اور خوداعتمادی میں بھی اسی قدر اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ جذبہ محبت (عشق) کو اگر پُورے طور پر اور مسلسل اظہار کا موقع نہ دیا جائے تو اس کے ثمرات حاصل نہیں ہوتے اور اگر کوئی منہ زور نفسانی خواہش اُبھر کر اس کا رُخ غیر فطری سمت میں موڑ دے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس جذبہ کی صحیح طور پر نگہداشت نہیں کی جارہی۔ ہم آئندہ صفحات میں دیکھیں گے کہ جذبہ محبّت (عشق) کے مکمل اور آزادانہ اظہار کے لوازم کیا کیا ہیں اور یہ کہ نفسانی خواہش کی اصل ماہیت کیا ہے اور یہ کس طرح عاشق کی روحانی زندگی میں نقصان کا باعث بنتی ہے۔

نصب العین کیلئے محنت۔ (عبادت)

صحیح نصب العین کی محبت جس عمل اور کوشش پر ابھارتی ہے وہ داخلی بھی ہے اور خارجی

بھی۔ داخلی یا ذہنی عمل آیات وتماثیل کے ذریعے خالقِ حقیقی کی صفات پر تدبّر وتفکر کی شکل اختیار کرتا ہے۔ یہ تدبر وتفکر ہمیشہ ان صفات قدسیہ کی حمد وتعریف پر منتج ہوتا ہے اور جس قدر کوئی فرد جذبہ محبّت اور خود شناسی کی دولت سے مالا مال ہے، اتنی ہی یہ حمد وتعریف گہری ہوتی ہے۔ صفاتِ خداوندی کی وہ آیات وتماثیل جو ان صفات پر غور وتفکر کا ذریعہ بنتی ہیں دو قسم کی ہیں۔

ا۔ وہ مظاہر قدرت جن میں خالق اپنی صفات کا اظہار کرتا ہے۔

ب۔ وہ الفاظ جو حق تعالیٰ کی صفات کو بیان کرتے ہیں۔

صفاتِ حُسن کا مطالعہ

ا۔ __مظاہر قدرت کے ذریعے۔__ (فکی) چونکہ عالم فطرت ذاتِ خداوندی کی تخلیق ہے، اس لیے اس میں الوہی صفات کا اظہار پایا جاتا ہے۔ آسمانوں، سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، زمین، وسیع وعریض سمندر، طلوع وغروب آفتاب کا منظر، بادل، دریا، ندیاں، ہوائیں، دن اور رات کا اُلٹ پھیر، موسموں کا تغیّر و تبدل، حیوانی اور نباتاتی زندگی کی بوقلمونی وکثرت —— غرضیکہ مادی، حیاتیاتی اور نفسیاتی سطح پر قدرت کے مختلف النوع شاہکار اپنی تمام تر تخلیق، افزائش، رنگ ونسل کی تفریق، عادات وخصائل اور حرکات وافعال کے اعتبار سے اپنے خالق کی صفات کا اسی قدر مظہر ہیں جس طرح آرٹ کا ایک شاہ پارہ اپنے خالق آرٹسٹ کے اخلاقی اور ذہنی سانچے کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ ان مظاہر کا بنظرِ عمیق مطالعہ ایک صاحب ایمان شخص کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ خالق کی صفات پر زیادہ بہتر طور پر تدبر وتفکر اور ان کی تعریف وتحمید کر سکے۔

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ۝ (الذّٰریٰت:۔ ۲۰)

اور یقین کرنے والوں کے لیے زمین میں (بہت سی) نشانیاں ہیں۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۝ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ

اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ
خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ج
سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○ (آل عمران: ۱۹۰، ۱۹۱)

بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے باری باری سے آنے میں (اُن) ہوشمند لوگوں کے لیے (بہت) نشانیاں ہیں جو اُٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے، ہر حال میں خدا کو یاد کرتے ہیں اور آسمان اور زمین کی ساخت میں غور و فکر کرتے ہیں۔ (وہ بے اختیار بول اٹھتے ہیں) "پروردگارا! یہ سب کچھ تو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا ہے، تو پاک ہے (اس سے کہ عبث کام کرے) پس تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔

مطالعہ فطرت جسے اسلامی اصطلاحات میں 'فکر' کا نام دیا جاتا ہے، نہ صرف صحیح نصب العین کے لیے محبّت کے اظہار اور اس کی نشوونما کا ذریعہ ہے، بلکہ تمام انسانوں میں اس محبّت کا بیج بونے کا محرک بھی ہے۔ چونکہ ہم سب اپنی حیات دنیوی کے پورے عرصے میں اس فطرت کے درمیان رہتے ہیں اس لیے ہم میں ہر شخص مظاہر فطرت پر غور و تدبر اور اس کے حسن و جمال کی تعریف پر مجبور ہے۔ نتیجتاً ہم میں سے ہر فرد ایک خالق کی صنّاعی، عظمت، خوبی، حسن و جمال اور طاقت و قدرت کا احساس حاصل کرنے پر مجبور ہے چاہے ہم میں سے چند افراد میں یہ احساس قدرے دُھندلا ہی کیوں نہ ہو۔

یہی وجہ ہے کہ ہمارا عقیدہ اور مذہب خواہ کچھ ہی ہو، ہم اکثر فطرت کے بارے میں گفتگو ایک شخصی وجود کی حیثیّت سے کرتے ہیں جس کا اپنا ایک کردار ہے اور جو اپنی جملہ کارگزاریوں کا شعور رکھتا ہے۔ اور ان افعال و وظائف کا کوئی مقصد و ہدف ہے۔ لیکن المیہ یہ ہے کہ ہم میں اکثر اس احساس حُسن کی اہمیّت کا اندازہ نہیں لگاتے۔ ظاہر ہے کہ یہ احساس باقی تمام اقسام احساس کی طرح مناسب تفہیم اور اظہار کا متقاضی ہے۔ اور یہ لوگ اسی کا اہتمام نہیں کرپاتے۔

وَکَاَیِّنْ مِّنْ اٰیَۃٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَمُرُّوْنَ

عَلَيۡهَا وَهُمۡ عَنۡهَا مُعۡرِضُوۡنَ ۝ (یوسف : ۱۰۵)

اور آسمانوں اور زمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر سے یہ لوگ گزرتے رہتے ہیں اور ذرا توجہ نہیں کرتے۔

اس کا عملاً نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ذہن کی شعوری سطح پر ہم سے اکثر لوگوں میں یہ احساس کچل دیا جاتا ہے۔ لیکن چونکہ اس کی وجہ جواز ہماری فطرت کا حصہ ہے اور یہ ہماری ہستی کے طاقتور ترین جذبے سے نہ صرف مطابقت رکھتا ہے بلکہ اس کے اظہار کا ذریعہ بھی بنتا ہے۔ یہ جذبہ کبھی بھی پُورے طور سے ختم نہیں کیا جا سکتا۔ ہوتا یہ ہے کہ اسے وقتی طور پر صرف دبا کر غیر شعوری سطح پر دھکیل دیا جاتا ہے جہاں یہ ایک چنگاری کی صورت ہمیشہ محفوظ رہتا ہے۔ چنانچہ اس طرح حقیقی مُلحد کا وجود ممکن نہیں۔ ایک ایسا شخص جسے عام طور پر مُلحد کی حیثیت سے جانا جاتا ہے، الفاظ اور عمل میں کھلے بندوں خدا کا انکار کرتا ہے لیکن چونکہ اس کا بھی فطرت سے ناگزیر تعلق ہے اس لیے اپنے نہاں خانہ دل میں وہ بھی اس کے حُسن وجمال کا ایک گہرا مگر غیر شعوری احساس رکھتا ہے اور اس طرح حقیقتاً خدا کے وجود کا اعتراف کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ جب وہ نامساعد حالات اور تکالیف میں گھر جاتا ہے تو دُعا اور مناجات ہی کا سہارا لیتا ہے۔

وَ اِذَا غَشِيَهُمۡ مَّوۡجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخۡلِصِيۡنَ لَهُ الدِّيۡنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰهُمۡ اِلَى الۡبَرِّ فَمِنۡهُمۡ مُّقۡتَصِدٌ ؕ وَمَا يَجۡحَدُ بِاٰيٰتِنَاۤ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوۡرٍ ۝

(لقمٰن : ۳۲)

اور جب اُن پر (دریا کی) لہریں سائبانوں کی طرح چھا جاتی ہیں تو اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کر کے اسے پکارنے لگتے ہیں۔ پھر جب وہ انہیں نجات دیکر خشکی پر پہنچا دیتا ہے تو بعض ہی انصاف پر قائم رہتے ہیں۔ اور ہماری نشانیوں سے وہی انکار کرتے ہیں جو عہد شکن (اور) ناشکرے ہیں۔

فَاِذَا رَكِبُوۡا فِى الۡفُلۡكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخۡلِصِيۡنَ لَهُ الدِّيۡنَ ۚ

فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ۙ

(العنکبوت : ۶۵)

پھر جب یہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کر کے اُس سے دعا مانگتے ہیں، پھر جب وہ انہیں بچا کر خشکی پر لے آتا ہے تو یکایک یہ شرک کرنے لگتے ہیں۔

جب ایک رسول دنیا میں آتا ہے تو وہ کوئی ایسی بات نہیں کہتا جو انسانیت کیلئے نئی یا اجنبی ہو، بلکہ اس احساس حُسن کو جگاتا اور زندہ کرتا ہے جو ان کے دلوں میں پہلے ہی دبا ہوا موجود ہوتا ہے۔ وہ اس سے پہلے ہی واقف ہوتے ہیں۔ رسول و انبیاء اس جذبے اور احساس کو مزید نکھارتے اور اس کے حقیقی مفہوم کو واضح کرتے ہیں۔ اور اس کے اظہار کا صحیح طریقہ سکھاتے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنے پیغمبرانہ کام کا آغاز لوگوں کو مطالعہ فطرت کی دعوت سے کرتے ہیں۔ وہ فطرت چہار اطراف سے ان کے مشاہدے میں آتی ہے اور ایک ناقابل تردید حقیقت ہے۔ کیا یہ مظاہر فطرت اپنے اندر ایک خالق کی صفات محبّت، حُسن، حکمت اور قدرت کے واضح دلائل نہیں رکھتے؟ اور کیا یہ انسان کو محبت، تشکر اور حمد و ثنا کے جذبات میں ایک خدائے مُطلق کے سامنے جھکنے پر مجبور نہیں کرتے؟ حقیقت یہ ہے کہ صرف ان اوصاف حمیدہ سے متصف خدائے لایزل ہی انسانیت کا سچا نصب العین ہو سکتا ہے۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ج فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ○

(العنکبوت : ۶۱)

اور اگر تم ان لوگوں سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے اور سورج اور چاند کو کس نے مسخر کر رکھا ہے تو ضرور کہیں گے کہ اللہ نے، پھر یہ کدھر سے اُلٹے جا رہے ہیں؟

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ

الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ
بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ (العنکبوت : ۶۳)

اور اگر تم ان سے پوچھو کہ کس نے آسمان سے پانی برسایا اور اس کے ذریعہ سے مُردہ پڑی ہوئی زمین کو جِلا اٹھایا تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔ کہو الحمدللہ، مگر اکثر لوگ سمجھتے نہیں ہیں۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۝

(یونس : ۳۱-۳۲)

ان سے پوچھو، کون تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ یہ سماعت اور بینائی کی قوتیں کس کے اختیار میں ہیں؟ کون بے جان میں سے جاندار کو اور جاندار میں سے بے جان کو نکالتا ہے؟ کون اس نظمِ عالم کی تدبیر کر رہا ہے؟ وہ ضرور کہیں کہ اللہ۔ کہو، پھر تم (حقیقت کے خلاف چلنے سے) پرہیز نہیں کرتے؟ تب تو یہی اللہ تمہارا حقیقی رب ہے۔ پھر حق کے بعد گمراہی کے سوا اور کیا باقی رہ گیا؟ آخر یہ تم کدھر پھرائے جا رہے ہو؟

قرآن حکیم بار بار اور مختلف اسلوب میں بنی نوع انسان کو مظاہر فطرت کے مشاہدہ و مطالعہ کی دعوت دیتا ہے اور ان کی توجہ اس حقیقت کی جانب مبذول کراتا ہے کہ یہ مظاہر فطرت اپنے خالق کی صفات حسن و کمال کی کھلی کھلی نشانیاں ہیں۔

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ

الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ص
وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ
وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ○ (البقرة : ۱۶۴)

یقیناً آسمانوں اور زمین کی ساخت میں، رات اور دن کے پیہم ایک دوسرے کے بعد آنے میں، اُن کشتیوں میں جو انسان کے نفع کی چیزیں لیے ہوئے دریاؤں اور سمندروں میں چلتی پھرتی ہیں، بارش کے اس پانی میں جسے اللہ اوپر سے برساتا ہے پھر اس کے ذریعہ سے زمین کو زندگی بخشتا ہے اور اپنے اسی انتظام کی بدولت زمین میں ہر قسم کی جاندار مخلوق کو پھیلاتا ہے، ہواؤں کی گردش میں، اور اُن بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان تابع فرمان بنا کر رکھے گئے ہیں، ان لوگوں کے لیے بے شمار نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ
بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ○ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ
اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ
مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ○

(الرّوم: ۲۰، ۲۱)

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر یکایک تم بشر ہو کر (زمین میں) پھیلتے چلے جا رہے ہو۔ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ
فِي السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ

الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ
بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ (العنکبوت : ۶۳)

اور اگر تم ان سے پوچھو کہ کس نے آسمان سے پانی برسایا اور اس کے ذریعہ سے مُردہ پڑی ہوئی زمین کو جلا اٹھایا تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔ کہو الحمدللہ، مگر اکثر لوگ سمجھتے نہیں ہیں۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ
السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ
وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَيَقُوْلُوْنَ
اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ
فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۝

(یونس : ۳۱-۳۲)

اِن سے پوچھو، کون تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ یہ سماعت اور بینائی کی قوتیں کس کے اختیار میں ہیں؟ کون بے جان میں سے جاندار کو اور جانداروں سے بے جان کو نکالتا ہے؟ کون اس نظمِ عالم کی تدبیر کر رہا ہے؟ وہ ضرور کہیں کہ اللہ۔ کہو، پھر تم (حقیقت کے خلاف چلنے سے) پرہیز نہیں کرتے؟ تب تو یہی اللہ تمہارا حقیقی رب ہے۔ پھر حق کے بعد گمراہی کے سوا اور کیا باقی رہ گیا؟ آخر یہ تم کدھر پھرائے جا رہے ہو؟

قرآن حکیم بار بار اور مختلف اسلوب میں بنی نوع انسان کو مظاہر فطرت کے مشاہدہ و مطالعہ کی دعوت دیتا ہے اور ان کی توجہ اس حقیقت کی جانب مبذول کراتا ہے کہ یہ مظاہر فطرت اپنے خالق کی صفات حسن و کمال کی کھلی کھلی نشانیاں ہیں۔

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ
وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ
النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ

الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ (البقرة : ۱۶۴)

یقیناً آسمانوں اور زمین کی ساخت میں، رات اور دن کے پیہم ایک دوسرے کے بعد آنے میں، اُن کشتیوں میں جو انسان کے نفع کی چیزیں لیے ہوئے دریاؤں اور سمندروں میں چلتی پھرتی ہیں، بارش کے اس پانی میں جسے اللہ اوپر سے برساتا ہے پھر اس کے ذریعہ سے زمین کو زندگی بخشتا ہے اور اپنے اسی انتظام کی بدولت زمین میں ہر قسم کی جاندار مخلوق کو پھیلاتا ہے، ہواؤں کی گردش میں، اور اُن بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان تابع فرمان بنا کر رکھے گئے ہیں، ان لوگوں کے لیے بے شمار نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ۝ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝

(الرّوم: ۲۰، ۲۱)

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر یکایک تم بشر ہو کر (زمین میں) پھیلتے چلے جا رہے ہو۔ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ